ڈاکٹر محمد شکیل اوج

شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

اسلامی ذبیحہ: جدید فقہ الاقلیات کا ایک مسئلہ

غیر مسلم معاشروں میں مقیم مسلمانوں کو درپیش مذہبی مسائل کو "فقہ الاقلیات،، کے عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ھے۔ اس باب کا ایک اھم مسئلہ ذبیحہ ھے۔ زیرنظر مضمون میں اس حوالے سے ایک نقطہ نظر بیان کیا گیا ھے۔ جس سے اختلاف کیا جاسکتا ھے۔قارئین کی آراء کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

آجکل یورپ اورامریکہ میں بحث چل رہی ہے کہ جانوروں کو حلال کرنے کیلئے مسلمانوں کے طریقے کے مطابق انہیں روایتی انداز میں ذبح کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ پھر وہیں یہ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ ذبیحہ اور حلال میں کیا فرق ہے؟ زیرِ نظر مضمون میں ہم اسی حوالے سے کچھ معروضات پیش کرنا چاہیں گے۔

اس بحث میں سب سے پہلے لفظ ذبیحہ کی حقیقت کو جاننا ضروری ہے۔ ذبیحہ، ذبح سے بنا ہے۔ امام راغب اصفہانیؒ (م ۵۰۲ھ) کے بقول: **اصل الذبح شق حلق الحیوانات** (۱) ذبح کی اصل یہ ہے کہ حیوانات کے حلقوم میں شگاف ڈالا جائے اور یہی اس لفظ کا بنیادی معنی ہے۔ چنانچہ جانور کو حلال کرنے کیلئے حلق کاٹنے کا عمل بہت پرانا ہے۔ جو فطری بھی ہے اور شرعی بھی۔

قرآن نے سورۃ المائدہ کے ایک مقام پر ذبح کا مترادف بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں کہنا چاہیئے کہ ذبح کا حاصل یا مقصد، ذکاۃ کو قرار دیا ہے (المائدہ ۳) چنانچہ جب ہم معنوی طور پر ذکاۃ کا لفظ دیکھتے ہیں تو ذبح کے ظاہری معنی کے ساتھ یہ مفہوم بھی صاف دکھائی دیتا ہے کہ جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ اس کے جسم سے حرارتِ غریزی نکل جائے یعنی خون مکمل طور پر اس کے بدن سے خارج ہو جائے۔ اس مفہوم کو قرآن مجید نے بایں الفاظ ادا کیا ہے۔ **الا ما ذکیتم** (المائدہ ۳) (۲) بجز اس کے جسے تم ذبح کرکے اس کی حرارتِ غریزی کو نکال دو۔ گویا تذکیہ کا معنٰی حرارتِ غریزی کا اخراج ہے۔ یوں یہ لفظ شریعت میں ذبح کے معروف ومتداول طریقے پر منطوق ہوا ہے۔ جیسا کہ امام راغبؒ نے لکھا ہے۔

وحقیقۃ التذکیہ اخراج الحرارۃ الغریزیۃ لکن خص فی الشرع بابطال الحیاۃ علی وجہ دون وجہٍ (۳) یعنی تذکیہ کی حقیقت، حرارتِ غریزی کا اخراج ہے، لیکن شریعت میں ایک نپے تلے انداز سے جانور کی زندگی ختم کرنے کو تذکیہ کہتے ہیں۔ گویا ذبح اور تذکیہ دراصل ایک ہی حقیقت کے دو روپ ہیں۔ ذبح میں ظاہر کا لحاظ ہے اور تذکیہ میں باطن کا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیئے لازم وملزوم ہیں۔ اگر کسی ذبیحے میں بوقتِ ذبح حرارتِ غریزی کا اخراج نہ ہو سکے تو اسے حلال نہیں سمجھا جائے گا۔

تذکیہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ جانور میں تڑپنے اور پھڑکنے کا عمل شدت سے پایا جائے تاکہ تذکیہ کامل ہو سکے کم تڑپنے اور پھڑکنے سے یقیناً تذکیہ بھی ناقص ہوگا اور ایسا ذبیحہ کم از کم (عقلی طور پر) غیر طیب (یعنی مضرِ صحت) ہونے کے سبب لائق طعام نہیں رہے گا۔ کیونکہ کسی شے کا قابل طعام ہونا، حلال ہونے کے ساتھ ساتھ طیب (یعنی مفیدِ صحت) ہونے کا بھی تقاضا کرتا ہے۔

قرآن مجید نے آخر میتۃ یعنی مراد جانور کا گوشت ہمارے لیئے کیوں حرام کیا ہے؟ صرف اسی لیئے کہ اس میں سے حرارتِ غریزی کا اخراج نہیں ہو پاتا اور مرے ہوئے جانور کا گوشت، خون آلود ہونے کے سبب غیر طیب

ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خون میں مختلف اقسام کے جراثیم ہوتے ہیں اور کیا یہ حقیقت نہیں کہ مرے ہوئے جانور کے گوشت میں بد بو پیدا ہو جاتی ہے، جو بسا اوقات اپنے زہریلے پن سے کسی کی موت یا پھر کسی بیماری کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں کوئی بھی مہذب انسان طبعی موت مرا ہوا جانور کھانا پسند نہیں کرتا۔ قرآن نے درندے کے شکار کئے ہوئے جانور کے باب میں **الا ما ذکیتم** کی قید بلاوجہ نہیں لگائی ہے اور یہاں **الا**، بطور استثنائے منقطع واقع ہوا ہے یعنی جس جانور کا تذکیہ ہو گیا ہو، اسے ہی کھایا جا سکتا ہے۔ اسی لیئے یہاں ذبح کی بجائے **ذکیتم** کا لفظ لایا گیا ہے جو ذبح کی حقیقت اور اصلیت کو نمایاں کر رہا ہے۔ اس جگہ یہ لفظ لانا نہایت موزوں اور برمحل ہے تا کہ کسی ظاہر بین کی نگاہ فقط ذبح تک ہی محدود نہ رہ جائے -----اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر ذبح بمنزلہ مطلوب کے ہے تو ذکاۃ بمنزلہ مقصود کے، یعنی شرع کو ذکاۃ کا لحاظ تھا، اس لئے ذبح کا حکم دیا گیا۔ ذبح میں چونکہ گردن کی کم از کم تین رگوں کو کاٹنا ضروری ہوتا ہے۔ جسکی حکمت وغرض حصولِ ذکاۃ کے سوا کچھ اور نہیں۔ کیونکہ ان کے کٹنے سے ہی ذبح کا صحیح اور کامل تذکیہ ہو پاتا ہے۔ مطلب یہ کہ خون کا مکمل اخراج بشکلِ جریان شگافِ حلق سے ہی ممکن ہوتا ہے برخلاف کسی اور عضوِ بدن کے۔ اس لئے کتبِ فقہ میں ذبح کی تعریف میں لکھا گیا ہے
:

۱. **والذبح بین الحلق واللبة والمذبح المری والحلقوم والودجان وقطع الثالث کافٍ** (۴)

اور ذبح کا مقام گلے اور سینے کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہے اور مذبح مری، حلقوم اور دو شہ رگیں ہیں جن میں سے تین رگوں کا کٹنا (بھی) کافی ہے۔

۲. **والذبح بین الحلق واللبة والعروق التی تقطع فی الذکوٰۃ اربعة الحلقوم والمری والودجان فان قطعها حل الاکل ...الخ** (۵)

مقامِ ذبح حلق اور سینے کے اوپر کی ہڈی کے درمیان ہے اور خون بہانے کے لئے جو رگیں کاٹی جاتی ہیں، وہ چار ہیں۔ سانس کی نالی، غذا کی نالی، اور دو خون کی نالیاں۔ اگر انہیں کاٹ دیا تو (جانور کا گوشت) حلال ہوگا۔

۳. **ان کان بالذبح فوق العقدہ حصل قطع ثلثة من العروق فالحق ماقاله شراح الهدایه تبعاللر ستغفنی ...الخ** (۶)

اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں چار میں سے تین رگیں کٹ گئیں، جو ہدایہ کے شارحین نے رستغفنی کی اتباع میں کہا ہے وہ حق ہے۔

مسئلہ زیرِ بحث یہ ہے کہ یورپ وامریکہ میں جانور کو الیکٹرک شاک Electric Shock کے ذریعے بیہوش کر کے یا پھر کسی اور ذریعے سے سن کر کے ذبح کرنے کا رواج چل پڑا ہے۔ جسکی منطقی توجیہ ان کے خیال میں یہ ہے کہ اس سے جانور کو کم تکلیف ہوتی ہے اور یہ کہ جانور کو زیادہ تکلیف دے کر نہیں مارنا چاہیئے۔ جہاں تک اس توجیہ کا تعلق ہے، وہ بجائے خود بہت عمدہ ہے مگر اسے ذبح پر بایں طور محمول کرنا ہمارے نزدیک لفظ تذکیہ کی حقیقت کو نہ جاننا ہے۔ اس فن کے ماہرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ ذبح کی حقیقت اسکے تذکیہ میں پوشیدہ ہے اور تذکیہ کے لئے جانور کا شدت کی تکلیف محسوس کرنا بہت ضروری ہے۔ جسکا مظاہرہ جانور کی تڑپ میں مضمر ہے۔ تڑپ جتنی زیادہ ہوگی، خون بھی اسی مقدار سے خارج ہوگا۔ کیونکہ جانور کے تڑپنے میں اسکی بقائے حیات کا فطری جذبہ موجزن ہوتا ہے وہ خود کو بچانے کی فکر میں اپنے جسم کی ساری توانائی خون کی شکل میں نچوڑ دیتا ہے۔ اس طرح اس کا تذکیہ بہت عمدہ ہو جاتا ہے یعنی گوشت، خون کے زہریلے جراثیم سے پاک ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے ہی گوشت کو علم وتہذیب کی دنیا میں حلال اور طیب کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ کسی شے کے حلال ہونے کی علت دراصل اس کا طیب ہونا ہی تو ہے مثلاً:

قرآن نے سورۃ المائدہ کے ایک مقام پر ذبح کا مترادف بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں کہنا چاہیئے کہ ذبح کا حاصل یا مقصد، ذکاۃ کو قرار دیا ہے

۱۔ ﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمۡ. قُلۡ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾ (المائدہ۴)

(یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمہاری لئے طیبات (ستھری چیزوں) کو حلال کیا گیا ہے)۔

۲۔ ﴿اَلۡیَوۡمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾ (المائدہ۵)

(آج کے دن تم سب کے لئے صاف ستھری، پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کو حلال کیا گیا ہے)

۳۔ ﴿وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡھِمُ الۡخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف۱۵۷)

(اور نبی ﷺ ان کے لئے پاکیزہ اور عمدہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندی، رڈی، اور ناپاک اشیاء کو حرام) حلال اور طیب کا چولی دامن کا ساتھ اس آیت میں بھی ملاحظہ کیجئے۔

۴۔ ﴿فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَیۡھِمۡ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَھُمۡ﴾... (النساء۱۶۰)

(پس ان لوگوں کے ظلم کی وجہ سے، جو یہودی ہوئے، ہم نے ان پر اچھی چیزیں، جو ان کے لئے حلال کی گئی تھیں ،حرام کردیں)

> قرآن کی رو سے واضح ہوتاھے کہ کسی بھی چیز کے قابل طعام ہونے کیلئے فقط اس کا 'حلال' ہونا کافی نہیں بلکہ اس کا طیب ہونا بھی ضروری ھے۔

قرآن کی رو سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی چیز کے قابل طعام ہونے کیلئے فقط اس کا 'حلال' ہونا کافی نہیں بلکہ اس کا طیب ہونا بھی ضروری ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر حلالاً طیباً کے اکھٹے الفاظ لائے گئے ہیں۔ (دیکھئے البقرہ۱۶۸۔المائدہ۸۸۔الانفال۶۹۔النحل۱۱۴)

ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات کی روشنی میں طیبات کا مفہوم بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طیبات کے مفہوم سے آشنا لوگ بیمار جانور، سڑے ہوئے پھل اور بدبودار گوشت کبھی نہیں کھا سکتے۔ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدبودار گوشت کھانے سے منع کیا ہے۔

عن النبی ﷺ قال اذرمیت بسھمک فغاب عنک فادرکتہ فکلہ مالم ینتن (مسلم، رقم الحدیث: ۴۸۷۰)

جب تم شکار پر اپنا تیر مارو اور پھر شکار تم سے اوجھل ہو جائے، پھر تمکو وہ مل جائے تو جب تک بدبودار نہ ہو اس کو کھالو۔ (ہمارے نزدیک روایت میں تسمیہ و تذکیہ ہر دو کا تصور محذوف ہے۔ جسے عرفاً سمجھا جا سکتا ہے۔)

چنانچہ شرعی اور عقلی ہر دو اعتبار سے یہ سب چیزیں غیر طیب ہونے کی وجہ سے حرام اور ناقابل طعام ہیں۔ کیونکہ ان کے استعمال سے انسانی صحت خراب اور برباد ہو سکتی ہے اور ہر وہ چیز جو باعث ضرر ہو، وہ حرام ہے۔ فان المضار کلھا حرامٌ بے شک ضرر رساں چیزیں حرام ہوتی ہیں۔

قرآن حکیم میں میتۃ (طبعی موت مرنے والا جانور) کے علاوہ جن جانوروں کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان میں:

۱۔ المنخنقۃ (گلاگھٹ کر مرجانے والا جانور)

۲۔ الموقوذۃ (دھاروالے آلہ کے بغیر کسی چیز کی ضرب کے باعث لگنے والی اندورنی چوٹ سے مرنے والا جانور)

۳۔ المتردیۃ (بلندی سے گر کر مرا ہوا جانور)

۴۔ النطیحۃ (کسی دوسرے جانور کی سینگ لگنے سے ہلاک ہونے والا جانور) اور

۵۔ وما اکل السبع (اور وہ جانور، جسے کسی شکاری جانور نے پھاڑ کھایا ہو)

کی اقسام کے جانور ہیں۔ان اقسام میں مؤخر الذکر قسم کے ساتھ **الا ما ذکیتم** کے الفاظ آئے ہیں(۷)
ان جانوروں کی حرمت کا سبب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تذکیہ (خون کا مکمل اخراج) ناممکن ہوتا ہے۔انہیں ذبح کرنے سے خون جاری نہیں ہوتا اور اگر برائے نام جاری ہو بھی جائے تو اس سے جانور کا تذکیہ نہیں ہو پاتا۔غیر طیب (یعنی مضر) ہونے کے سبب وہ حرام ہو جاتا ہے۔اسی لئے قرآن مجید کو یہاں **ذکیتم** کا لفظ لانا پڑا۔(المائدہ ۳) تا کہ ذبح کی غرض واضح ہو، جو جانور کے جسم سے حرارتِ غریزی کے تاحدِ امکان، اخراج پر مشتمل ہے۔جو مذکورہ بالا جانوروں میں مفقود ہے۔ چنانچہ ایسے جانورں کا 'اسلامی وقرآنی ذبیحہ' بننا ذکاۃ کی صفت سے معرّا ہونے کی وجہ سے ہی حرام ہوا ہے۔
مولانا احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں:

''خون مسفوح ناپاک ہے، وہ بدن میں رہے اور جانور مر جائے تو تمام گوشت پوست نجس وحرام ہو جاتا ہے۔ذبح سے مقصود اس کا جدا کرنا ہے۔ولہذا حدیث صحیح میں ارشاد ہوا۔**ما انهر الدم وذكر اسم الله عليه فكلوا** (بخاری) جس کا خون بہا دیا گیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا تو اسے کھاؤ۔اور فرمایا۔**انهر الدم بما شئت واذكر اسم الله عليه** (مسلم) خون بہا دے، جس سے تو چاہے اور اللہ کا نام ذکر کر۔'' (۸)

علامہ غلام رسول سعیدی کے بقول:

''شمس الائمہ سرخسی حنفیؒ فرماتے ہیں:۔۔۔۔۔ایک قول یہ ہے کہ نجس اور فاسد خون کے بہانے کو زکاۃ کہتے ہیں۔کیونکہ حیوان میں بہنے والا خون حرام ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے محرمات کے ضمن میں فرمایا **او دماً مسفوحاً** (یا بہنے والا خون) پس خبث کے ازالہ کرنے اور طاہر کو نجس سے متمیز کرنے کا نام زکوٰۃ ہے'' (۹)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

''تذکیہ کی حقیقت صرف یہ ہے کہ جانور کی طبعی حرارت کو بدن سے نکال دیا جائے ،لیکن شریعت میں (ہر طریقے سے ازالہ' حرارت کو تذکیہ نہیں کہا جاتا بلکہ ایک خاص طریقہ سے ابطال حیات کا نام تذکیہ ہے)یعنی بالارادہ اللہ کا نام لیکر حلق ولبہ کو کاٹ کر یا چھید کر ابطال حیات کرنے کا نام شرعاً تذکیہ ہے۔'' (۱۰)

البتہ خون کے تاحدِ امکان یا قابل اطمینان اخراج کی صورت میں ایسا ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔اور ہمارے نزدیک یہی حال قریب قریب ان جانوروں کا بھی ہے۔جنکے ہوش وحواس ختم کر کے انہیں ذبح کیا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ ایسے جانور اپنے اوپر ہونے والے عمل جراحت سے کوئی تکلیف محسوس نہیں کر پاتے کیونکہ انہیں اپنی بقائے حیات کے لئے ٹانگیں چلانے کی صلاحیت سے (الیکٹرک شاک کے ذریعے) محروم کر دیا جاتا ہے۔چنانچہ ذبح کے وقت ان میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں پائی جاتی۔وہ درد کی شدت سے بلبلاتے ہیں، نہ ممیاتے ہیں اور نہ ہی پاؤں مارتے ہیں پھر ظاہر ہے کہ جس مقدار میں ان کے جسم سے خون جاری ہونا چاہئے، وہ جاری نہیں ہو پاتا۔پھر ایسے جانوروں کا گوشت انسانی صحت کے لیئے کتنا مفید ہو سکتا ہے؟ یہ آپ بھی سمجھ سکتے ہیں۔یہ مسئلہ جس طرح طبعی اور غذائی ماہرین کے سوچنے کا ہے وہیں ہم سب کے سوچنے کا بھی ہے۔
ہمارے خیال میں اس طرح کے جانور کو ظاہری پہلو سے 'ذبیحہ' ہونے کا اعزاز تو حاصل رہے گا۔مگر اسے عدمِ تذکیہ کی وجہ سے **حلالاً طیباً** کہنا محل نظر ہوگا البتہ ذبح کی غرض چونکہ تذکیہ ہے۔پس اگر بشرط تسمیہ، بہ زبان مسلم وکتابی، کسی سائنسی (مشینی)

ذبح کے وقت جانور دماغی چوٹ کے باعث بیهوش یا سن ہونے کی بجائے، نارمل حالت میں ہو تاکه وہ اپنی توانائی کو پوری قوت کے ساتھ استعمال میں لاتے ہوئے اپنے پاؤں مارسکے ۔ جس کے نتیجے میں اس کا تذکیه ہو جائے۔

عمل کے ذریعے ذبح کی صورت میں جانور کا تذکیہ ممکن ہوسکتا ہے تو ایسے جانور کا گوشت، طیب ہونے کے سبب یقیناً جائز ہو گا اور ہمیں روایتی طریقے سے ہٹ کر، کٹے ہوئے جانور پر، ازروئے قرآن حکیم کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ذبح نے اپنی غرض کو پالیا ہے۔ طریقۂ ذبح چونکہ منصوص بالقرآن نہیں ہے۔ اس لئے اگر زمانے کے تغیر و تبدل یا پھر زیادہ ترقی یافتہ ہونے کے سبب متذکرہ بالا شرائط کے تحت کسی غیر روایتی طریقۂ ذبح کو اختیار کیا جاتا ہے تو وہ عندالشرع والعقل دونوں صورتوں میں قابل قبول ہوسکتا ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ دماغ پر چوٹ یا ضرب مار کر جانور کو تھوڑی سی دیر کے لئے بے حس و حرکت کر کے، ٹھیک اسی وقت ذبح کرنا، قریب قریب موقوذیت والی 'کیفیت' کو مصنوعی طور پر پیدا کرنا ہے جو گاہے بامرِ مجبوری تو قابل قبول ہوسکتی ہے۔ مگر مستقل بنیادوں پر اختیار کرنا شاید اسلام کے قانونِ ذبح سے کھیلنے والی بات ہو۔

ہمارے نزدیک گو ایسے جانور کا تذکیہ بایں صورت ممکن کیا؟ یقینی ہوجائے (مثلاً جانور کو ذبح کیا اور ذبح کرتے ہی اسے الٹا لٹکا دیا۔ نتیجۃً خون کی نالیوں سے خون، ڈرین ہوگیا اور اس طرح جانور کا تذکیہ ہوگیا۔) تب بھی اسے روحِ قانون کے تحت جائز قرار دینا خاصا مشکل کام ہوگا۔ کیونکہ اسے مصنوعی طور پر موقوذہ بنایا گیا ہے۔

یاد رہے کہ فطری موقوذہ کو **الاماذکیتم** کے قانون کی رو سے بربنائے نص یا اجتہاد حلال تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لئے مصنوعی موقوذہ کو اس پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ قرآن کا بیان کردہ موقوذہ بالکل فطری اور غیر اختیاری ہے، جبکہ مروجہ موقوذہ مشینیہ، غیر فطری اور خود اختیاری اور کسی کیفیت کے اختیاری ہونے کے فرق سے احکام میں بڑا فرق واقع ہوجاتا ہے۔ پس موقوذہ اضطراری اور موقوذہ خود اختیاری میں بڑا فرق ہے۔ اس لیئے موقوذیت کی حالت کو قرآنی فریم ورک میں رکھ کر ہی ہمیں کوئی حکم لگانا ہوگا۔ یقیناً اس طرح کے احکام کسی استثنائی حالت کے تابع ہوتے ہیں، جن کا فطری ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حالت گاہ بگاہ ہی روبعمل آسکتی ہے۔ چنانچہ ایسے حالات کو مصنوعی طور پر واضح کرنا اور اسے دوامیت فراہم کرنا، کہاں کی دانش مندی ہے؟ کیا ایسے ذبیحوں کو قانونی سند جواز فراہم کرنا حالتِ عموم کے قانون کی صریح ہتک اور خلاف ورزی نہیں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے مشینی ذبیحوں کو جواز کی سند عطا کرنے والے، اگر حالتِ عموم کے قانونِ جاریہ کو سمجھیں تو شائد اپنے فتووں سے رجوع کرلیں۔ واضح رہے کہ حلال جانور کو ذبح کرنے کی غرض تو اس کا تذکیہ ہی ہے۔ مگر اسکی شرط تسمیہ (تکبیر) ہے، جو بوقتِ ذبح پڑھی جاتی ہے۔ یعنی بسم اللہ، اللہ اکبر۔ اگر کسی جانور کو تسمیہ کے بغیر ذبح کیا جائے اور بظاہر اس کا تذکیہ بھی ہوجائے تب بھی وہ حلال نہیں ہوگا۔

ذبیحہ کی حلّت میں تسمیہ کا کردار اتنا بنیادی ہے کہ اسکے لیئے پروردگارِ عالم نے بایں الفاظ ارشاد فرمایا ہے کہ: **وما اھل بغیر اللہ بہ** یعنی وہ جانور، جس پر اللہ کا نام نہ پکارا جائے وہ حرام ہے (المائدہ ۳) اور یہ ارشاد چار مقامات پر دہرایا گیا ہے۔ نیز سدھائے ہوئے شکاری درندے کے ذریعے شکار کیئے ہوئے جانور پر قابو پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام کے پڑھنے کا حکم بایں الفاظ بھی آیا ہے:

۱- **واذکروا اسم اللہ علیہ** (المائدہ ۴)

اور اس ذبیحہ پر اللہ کا نام پڑھو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ کے بغیر کوئی ذبیحہ حلال نہیں ہوسکتا نیز فرمایا:

۲- **ومالکم الاتاکلوا مماذکر اسم اللہ علیہ** (الانعام ۱۱۹)

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) سے نہیں کھاتے، جس پر اللہ کا نام پکارا گیا ہے۔۔ اور فرمایا:

۳- **ولاتاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق۔** (الانعام ۱۲۱)

اورتم وہ جانور نہ کھایا کرو، جس پر اللہ کا نام نہ پکارا گیا ہو۔اور بے شک ایسے جانور کا کھانا فسق ہے۔

خلاصۂ بحث یہ کہ جانور کو اصلاً حلق سے قطع کیا جائے تا کہ خون کا سیلان وجریان ہو سکے۔اور ذبح کے وقت جانور دماغی چوٹ کے باعث بیہوش یا سن ہونے کی بجائے ، نارمل حالت میں ہوتا کہ وہ اپنی توانائی کو پوری قوت کے ساتھ استعمال میں لاتے ہوئے اپنے پاؤں مار سکے۔جس کے نتیجے میں اس کا تذکیہ ہو جائے ، جو ذبح کا مقصود ہے۔مگر یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب جانور کو اس طریقے سے ذبح کیا جائے ، جو فطری اور مقصودِ شریعت سے ہم آہنگ ہو۔اسے مصنوعی طور پر موقوذہ بنا کر ذبح کرنا ،قانونِ ذبح اسلامی کا مذاق اڑانا ہے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ ہمارے فقہاء ذبح کے تعلق سے دو اصطلاحیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ذبح اختیاری ۲۔ذبح اضطراری

ذبح اختیاری سے مراد یہ ہے کہ جانور ذابح کے زیر قدرت (کنٹرول میں) ہو۔اور وہ اسے حلق سے ذبح کرے۔ جہاں کم از کم تین رگوں کا کٹنا ضروری ٹھہرے۔جبکہ ذبح اضطراری سے مراد ایسا طریقہ ٔ ذبح ہے، جو ذبحِ اختیاری کے برعکس ہو۔اس طرح کا ذبیحہ جانور کے کسی بھی حصہ پر (سوائے حلق کے)وار کرنے یا اس پر شکار چھوڑنے کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے اور ہمارے فقہاء نے اسے ذبح اضطراری کا نام دے کر مستقل بنیادوں پر حلال کر رکھا ہے۔حالانکہ ذبح اضطراری سے مراد ذابح کی اپنی ذاتی حالت ہو تو یقیناً ایسا ذبیحہ حلال ہو گا۔ کیونکہ حالتِ اضطرار میں حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے۔ پس ذبح اضطراری کو کسی غیر مضطر کے لیئے حلال قرار دینا از روئے قرآن غلط ٹھہرتا ہے۔اس لیئے میں ذبحِ اضطراری کو جانور کی حالت کی بجائے شکاری یعنی ذابح کی حالت پر منطبق کرتا ہوں۔

ذبح اور تذکیه دراصل ایک هی حقیقت کے دو روپ هیں ۔ ذبح میں ظاهر کا لحاظ هے اور تذکیه میں باطن کا

حواشی وحوالہ جات

۱- المفردات فی غریب القران، کتـــــاب الـــذال، ص۱۷۷،الناشر:نور محمد کارخانہ تجارت کتب ،آرام باغ،کراچی

۲- ذکاء کے معنٰی حرارت کے ہیں اور جب یہ لفظ باب تفعیل سے ذکّی بنے گا تو اس میں سلبِ ماخذ کی خصوصیت پیدا ہو جائیگی اور معنی ہوگا۔حرارت نکال لی یعنی سلب کر لی۔اسی کو سلبِ ماخذ کہتے ہیں۔

۳- المفردات فی غریب القران، کتاب الذال ،ص۱۸۰

۴- عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ (م۷۱۰ھ) کنز الدقائق، کتاب الذبائح ،ص۱۷۴،المکتبۃ العربیہ، دستگیر کالونی، کراچی۔

۵- ابو الحسین بن احمد محمد بن جعفر البغدادی المعروف بالقدوریؒ (م۴۲۸ھ) مختصر القدوری ، کتاب الصید والذبائح ،ص۲۱۹، مکتبۂ خیر کثیر،آرام باغ،کراچی۔

۶- محمد امین ابن عابدین الشامیؒ ،ردالمحتار، کتاب الذبائح ،داراحیاء التراث العربی ، بیروت،جلد۵ص۱۸۷

۷- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک الاماذکیتم میں استثناء صرف درندہ کے کھائے ہوئے جانور سے تعلق رکھتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ چند معطوفات کے بعد اگر استثناء آئے تو اس کا تعلق آخری معطوف سے ہوتا ہے نہ کہ سارے معطوفات سے ۔ تاہم یہاں باقی معطوفات کا استثنٰی از روئے قیاس اخذ کرنا درست معلوم ہوتا ہے ۔(بحوالہ قاضی ثنا اللہ پانی پتیؒ، تفسیر مظہری (اردو)، جلد۳،ص۳۵۸،اردو ترجمہ: مولانا عبدالدائم جلالی، سعید ایچ ایم کمپنی ،ادب منزل، پاکستان چوک ، کراچی ۱۹۸۰ء

۸- مولانا احمد رضا خان بریلویؒ (م ۱۹۲۱ء) فتاویٰ رضویہ، جلد۲۰ص۳۳۵،کتاب الذبائح،رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ،اندرون لوہاری دروازہ، لاہور،۲۰۰۱ء

۹- مولانا غلام رسول سعیدی ،شرح صحیح مسلم ،جلد۶، کتاب الصید والذبائح ص۴۶،فرید بک اسٹال ، ۴۰۔اردو بازار، لاہور،الطبع الرابع ،۱۹۹۶ء

۱۰- تفسیر مظہری ،جلد۳ص۳۵۷،اردو ترجمہ: مولانا عبدالدائم الجلالی ،سعید ایچ ایم کمپنی ،ادب منزل ، پاکستان چوک ،کراچی ،۱۹۸۰ء